

ربا پر بعض معاصر نقطہ ہائے نظر کا علمی جائزہ

طاہر مصوّری ☆

ربا کے موضوع پر مصنفین نے ربا کی روایتی تعریفات سے صرف نظر کرتے ہوئے نہیں صورتیں متعارف کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ ربا کی ایک ایسی جامع تعریف کی جائے جو ربا کو دیون اور یوں کے ربا میں تقسیم کرنے کی بجائے اسے ایک محدود غیر مقسم اہلی کے طور پر پیش کرتی ہو۔ یہ کوششیں غالباً ”ایک حلے کے اس اعتراض کا جواب ہیں کہ ربا کی کوئی واضح و مسٹین قانونی تعریف نہیں ہے اور یہ کہ ربا کے مبدلات تلاش کرنے سے پہلے اس کا تعین ضروری ہے۔

ان کوششوں کے پیچے کار فرما جذبہ یقیناً قتل ستائش ہے، تاہم اس طرح جو تعریفات اور نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں، ان میں بہت سے محل نظر ہیں۔ ان تعریفات میں ربا کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں، اور اس اصطلاح کی جو تشریح و تعبیر کی گئی ہے اس کی تائید نہ تو احادیث سے ہوتی ہے اور نہ فقیہوں کے اقوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض تحریروں میں ربا کو راس المال پر اس بلا استحقاق اضافے سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا کوئی عوض دوسرا فریق کونہ دیا جائے ہے یہ اضافہ قرضوں میں ہو یا مبلوے کے معاملات میں ہو۔ اس نقطہ نظر کے مطابق بلا استحقاق منفعت یا بلا استحقاق کسب کا ہر معاملہ ربا ہے۔ تاجریوں کا مروجہ شرح منافع سے زیادہ نفع دینا، ادھار کی صورت میں چیز زیادہ منفعت دامنوں فروخت کرنا، صنعت کار کا اجیر کو غیر عولانہ اجرت دینا اور خود آمدن کے پڑے حصہ پر قبضہ ہونا، فصل کی پہلی میں کاشت کار کا استحصال یہ سب ربا کی صورتیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں استحصال اور نفع خوری کی ہر قفل ربا ہے۔^(۱)

بعض مصنفین کے خیال میں دو ہم جنس چیزوں کا مبلغہ (Exchange) خواہ بھی کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں، برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے، ورنہ یہ ایک ایسا

☆ استثنا پروفیسر، شریعہ فیلڈسٹی، میں الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اندازہ کملائے گا جس کا کوئی عوض نہ ہو۔ بالفاظ دیگر وہ ہم جنس چیزوں کے مبدلے سے متعلق احکام قرض پر بھی لاگو ہوں گے۔ روپے کا روپے کے ساتھ تبادلہ، خواہ قرض ہی کی صورت میں ہو۔ برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ لذا قرض کی وہ صورت بھی کہ جمل ایک ہزار روپے کے بدالے میں سل کے بعد ایک ہزار روپے ہی واپس کئے جائیں، تباہ ہو گئی کوئی نکہ یہ وہ ہم جنس چیزوں کے تبادلے سے متعلق حدیث کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق مذکورہ صورت میں ضفر رہا یہ ہے کہ مین ایک مخصوص مدت تک روپے سے منفعت حاصل کر رہا ہے اور یہ بلا استحقاق کسب کی ایک شکل ہے۔^(۱)

کچھ دیگر مصنفین ربا کو اس فرق (Discrepancy) سے تعبیر کرتے ہیں، جو وہ ہم جنس چیزوں کے برابر راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے اور فریقین کی ملہداتی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی مطابق راس المال پر جمل اندازہ رہا ہے وہاں اس میں کسی بھی ربا ہے، کیونکہ دی گئی اور لی گئی مقدار میں فرق واقع ہوا ہے۔^(۲)

چنانچہ جس تبادلے میں مقدار میں فرق واقع نہیں ہوتا، وہ ایک درست معاملہ ہے چاہے ایک عوض کی سپردگی موخر کر دی گئی ہو۔ یعنی پانچ تو لے سونے کا پانچ تو لے سونے کا تاثیر کے ساتھ تبادلہ مذکورہ نقطہ نظر کے مطابق جائز ہے۔

مذکورہ نقطہ ہائے نظر جنوب ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صاحب، جناب عمران نیازی صاحب اور جناب ڈاکٹر سید طاہر صاحب کی کوشش فکر کا نتیجہ ہیں، زیر نظر مقالے میں اُنہی کی تحقیقات کو موضوع بحث بٹایا گیا، اور اپنے نقطہ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
پہلا نقطہ نظر

ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب نے "The nature of Riba al-Nasi'ah and Riba al-Fadl" کے عنوان سے لکھے گئے ایک مقالہ میں ربا پر اپنا نقطہ نظر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نقطہ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ ربا بلا استحقاق اندازہ اور منفعت کا نام ہے۔ ہر وہ معاملہ جمل ایک فرد بلا استحقاق آمن کا مالک بنتا ہو، خواہ معاملے کے ظاہری صورت کچھ بھی ہو، ربا کا معاملہ ہے۔^(۳) ربا کی واضح، قطعی اور معین شکل ربا النسیئہ ہے۔ ربا النسیئہ قرض کے راس المال پر مشروط اندازہ کا نام ہے، اور یہ اندازہ ایک فرق کے لئے بلا استحقاق آمن ہے جس کا اس نے کوئی عوض نہیں دیا ہے۔ ربا النسیئہ کی صورت میں اور لیا جانے والا اندازہ معین ہوتا ہے لیکن ربا الفضل میں وصول کئے جانے والے منافع پہلے سے معین نہیں ہوتے۔ یہ اس کے مقابلے میں ایک بہم

وغیر معین ربا ہے (۵)۔ ربا الفضل معاملات کی ان تمام صورتوں پر پھیلا ہوتا ہے جمل ایک فرد دوسرے کا معاشی احتصل کرتا ہے۔ معاصر سرمایہ دارانہ میشیٹ میں مشینوں اور ذراائع پیداوار پر قابض افراد کا کارکنل، محنت کشوں اور معاشی طور پر کمزور افراد کا احتصل اور ان کی محنت سے ناجائز اکائد اخانتا ربا الفضل کی شکلیں ہیں (۶)۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق مزارعات اور فصل کی بھائی کے معاملات میں بھی کاشت کار کا احتصل ہوتا ہے، لہذا یہ بھی ربا الفضل کا معاملہ ہے (۷)۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ معاملات کی بعض قدمی شکلیں بھی درحقیقت ربا الفضل ہی کی شکلیں تھیں، ان میں درخت پر لگے نیخت پھلوں اور کمری فصلوں کی فروخت، کمیت میں کمری فصل کو زمین پر پڑے گلے کے بدله میں فروخت جیسے معاملات شامل ہیں (۸)۔ اسی طرح تاجریوں کا ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کر کے نفع کلتا، موجہ شرح سے زیادہ قیمت وصول کرنا، نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ منگے داموں فروخت کرنا بھی ربا الفضل کے دائے میں داخل ہے (۹)۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ”اگر حرمت ربا کو صرف قرضوں تک محدود کر دیا جائے“ جیسا کہ قدم فتحاء کی رائے ہے، تو بلا احتقلان منفعت کی بہت سی صورتیں حرمت کے دائے سے باہر ہو جائیں گی حالانکہ ان میں مضر ظلم و احتصل قرضوں پر سود سے پیدا ہونے والے ظلم و احتصل سے کمیں بڑھ کر ہے (۱۰)۔

نقدو تجزیہ

ربا الفضل پر فاضل مصف نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کی تائید فقی علی سرماۓ سے نہیں ہوتی۔ فقی کتب میں ربا الفضل کی جو تعریفات دی گئی ہیں، ان سے ربا الفضل کا مفہوم یہ تھیں ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا اضافہ ہے جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ اس کی بنیاد حضرت عبده بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مخصوص ہم جنس اشیاء کے تبادلہ کے لئے برابری اور فوری قبضے کی شرط عائد کرتی ہے (۱۱)۔ ڈاکٹر صاحب نے جن معاملات کو ربا الفضل کا نام دیا ہے، فقی کتب میں انہیں دیگر غواہات کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ ”غفر“ دھوکہ، فریب ”تدلیس و تقریر“ کے معاملات ہیں۔ کچھ کو قمار اور میسر کا نام دیا گیا ہے۔ تاجر کی ناجائز نفع خوری کو فتحاء نے ”غبن فاحش“ کا معاملہ قرار دے کر ناجائز کہا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے ظلم و احتصل کے خلاف فرد کو تحفظ فراہم کیا ہے بلا احتقلان کب منفعت کو ناجائز سمجھ لایا ہے۔

شریعت میں ایک معلبدے کے باطل ہونے کے عام طور پر چار اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔ غر (محلہ کا ابہام، غیر یقینیت، خطرہ وغیرہ)

۲۔ ربا

۳۔ قمار، میسر (جو)

۴۔ تدليس و تغیر (دھوکہ، فریب، غلط بیانی)

غر ایسا معللہ ہوتا ہے جس میں دونوں طرف کے معلوموں میں سے کسی ایک کا حصول غیر یقینی ہو یا اس معلومے سے جو مقصد پیش نظر ہے، اس کا حصول غیر یقینی ہو۔ غر اس خطرے کو کہتے ہیں جو محل بیچ کی مقدار اور صفات سے لامع ہونے کی بنا پر ایک فرق کو لاحق ہو۔ غر کا نمایاں وصف ابہام، غیر یقینیت، خطرہ وغیرہ ہیں (۱۲)۔

اس تعریف کی رو سے درخت پر پھل پیدا ہونے یا ان کے پختہ ہونے سے پہلے فروخت کرنے، کہیت میں کھڑی فصل کو نہیں پر پڑے غلے کے بدالے فروخت کرنے جیسے معلمات غر کے معلمات ہیں کہ ان میں ایک فرق کے تقاضن کا اختلال پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے تمام معلمات کو حرام قرار دیا ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت انسؓ سے مردی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھولوں کے سرفی مائل ہونے سے پہلے انہیں بیچتے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھل سے محروم بھی تو کر سکتا ہے۔ اس صورت میں تمہیں اپنے بھائی کامل کھانے کا کیا حق رہ جاتا ہے؟ (۱۳)۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکنریاں پھینک کر طے پانے والی بیچ اور غر بیوع سے منع فرمایا ہے (۱۴)۔

۳۔ حضرت رافع بن خدقؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی درخت کی کھبوروں کو چھوپا روان کے بدالے فروخت کرنے سے منع فرمایا (۱۵)۔

سابقہ صورت میں غر یہ ہے کہ نہیں پر موجود چھوپا روان کی مقدار تو تمہیں ہوتی ہے لیکن درخت پر موجود کھبوروں غیر تمہیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہیں تخيمنا "بیجا جاتا ہے۔

جمل تک تجارت میں فریب، دھوکہ وہی اور غلط بیانی سے حاصل ہونے والے بلا احتجاج منافع کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں بھی شریعت نے تشییل سے احکام دیئے ہیں، اور فریب اور دھوکہ وہی پر تینی معلمات کو تجازہ قرار دے کر مشتری کو ملعوبہ حجت کرنے کا اختیار دیا ہے۔ "تدليس و تغیر" یا دھوکہ و فریب کے جو معلمات فقیہی کتب میں ہمیں ملتے ہیں، ان میں چند اہم

معلمات درج ذیل ہیں:

- دہلاتی غلہ فروشوں سے مارکیٹ سے دور شر کے باہر غلہ کی خرید۔
 - شر سے تعلق رکھنے والے فرد کا دہلاتی تاجر کا ابجٹ بن کر غلہ فروخت کرنا۔
 - دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں دودھ روک کر پینچنا۔
- ذکورہ معلمات تدليس و تغیری یعنی دھوکہ دہی، فریب اور غلط بیانی کے معلمات ہیں۔ ان کی حرمت کے بارے میں واضح احادیث موجود ہیں۔
- ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شری دہلاتی کے لئے (اس کا ابجٹ بن کر) غلہ فروخت نہ کرے (۱۶)۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے دہلات سے غلہ لے کر آنے والے قافلوں سے راستوں پر ملاقات سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی انسن کسی ایسے قلقے سے ملے اور اس سے کوئی چیز خرید لے تو بائع کو مارکیٹ پینچنے پر سودا برقرار رکھنے یا سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے (۱۷)۔

ان دونوں احادیث میں ایسی صورت حال کا ذکر ہے کہ جب دہلاتی غلہ فروش کو بازار کے بھاؤ کا علم نہیں ہوتا اور شری تاجر اس کی نواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے سنتے دامون غلہ خریدتا ہے اور پھر اسے بازار میں منگے دامون فروخت کرتا ہے۔ ایسی صورت حال میں فروخت کنندہ اگر دیکھے کہ بازار کے بھاؤ اس سے کہیں زیادہ ہیں جن میں مشتری تاجر نے اس سے غلہ خریدا تھا، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ سودا منسوخ کر دے۔ دراصل شارع کا منشاء یہ ہے کہ دہلات سے غلہ لانے والوں کو خود مارکیٹ کے اندر چڑھا دیکھنے کا موقع ملے اور ان کی عدم واقفیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو تھنوں میں روک کر جانور کو پینچنے سے منع فرمایا ہے اور مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ سودا منسوخ کر دے (۱۸)۔

جمل سک ناجائز ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ نفع کرانے کا تعلق ہے، اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کے مرکب شخص کو سزادے۔ کھانے پینے کی پیزوں کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کہ قیمتیں بڑھنے پر انہیں پیچ کر نفع کلایا جائے، اسلام کی نظر میں انتہائی ناپنڈیدہ طرز عمل ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: ”جس نے اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کی کہ وہ لوگوں پر چیزیں منگلی کر کے فروخت کرے، وہ خطاکار ہے اور اللہ اس سے بری ہے“ (۱۹)۔

ذخیرہ اندوزی سے نفع خوری کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے موجہ شرح مخالف سے زیادہ نفع لینے کو بھی ریاضۃ الفضل کا معاملہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام نفع کی کسی حصی حد کا کوئی تینیں نہیں کرتا وہ تاجر ہوں کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ عدل و الصاف کے شاھنہوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود ہی اس کا تینیں کریں۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تاجر ہوں کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ ایک چیز کی جو قیمت چاہیں وصول کر لیں، تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ لوگوں کے مغلہ میں ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قیتوں کا تینیں کرے۔ ریاستی محتسب کے نیمکتہ فرائض میں یہ فرض بھی شامل ہے کہ بازار میں نلپ تول کے بیانوں، اشیاء کی نوعیت اور قیتوں پر نظر رکھے۔ اگر کوئی تاجر کسی چیز کی غیر معقولی قیمت وصول کرے جو مروج شرح سے بہت زیادہ ہو، تو فقہاء اس سودے کو غبن فاحش کا سودا قرار دیتے ہیں اور خریدار کو سودا فتح کرنے کا حق دیتے ہیں۔

ابن علبدین کہتے ہیں:

غبن فاحش یہ ہے کہ طے شدہ قیمت پر بازار میں کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہو اور قیمت کا اندازہ لگانے والوں میں سے کوئی بھی یہ قیمت لگانے والا موجود نہ ہو۔ اگر یہ نمیاں نقصان دھوکہ اور فریب کے ذریعے پہنچایا گیا ہو تو احتلاف کافتوئی یہ ہے کہ یعنی فتح کرنے کا حق خریدار کو حاصل ہے، یعنی نقطہ نظر حبلہ کا بھی ہے (۲۰)۔

جملہ تک نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ منگلے واموں فروخت کرنے کا تعلق ہے، فقہاء کی اکثریت اسے جائز قرار دیتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ علاوات و معاملات میں اصل جواز اور اباحت ہے الایہ کہ منوع ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کا منوع ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے، اس لئے مذکورہ شرعی قاعدة کی روح سے یہ ایک مبلغ اور جائز کاروبار ہے۔

امام شوکلی نے ادھار کی وجہ سے قیمت برعاملے کے جائز ہونے پر ایک مستقل رسالہ ”شفاء الغلل فی حکم زیادہ الشمن بمجرد الاجل“ لکھا ہے۔ وہ ”میل الاوطار“ میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین، ناصر، منصور بالله، علدویہ تو اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن شافع، احتلاف، امام زید بن علی اور جمیور اس کو جائز قرار دیتے ہیں (۲۱)۔

حافظ ابن القیم "اعلام الموقعين" میں فرماتے ہیں۔

"حقیقت سے بہت ہٹ کر بات کی ہے جس نے ایک سودے میں دو سودوں سے مماثلت والی حدیث کو اس صورت پر محول کیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو ادھار کی صورت میں سروپے اور نقد کی صورت میں بچاپن روضے پر فروخت کرے۔ فی الواقع اس سودے میں نہ سود ہے نہ قیمت کا ابہام ہے، نہ دھوکہ ہے، نہ تمار ہے اور نہ دوسرا خرایا۔ اس لئے کہ بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہے کہ جس قیمت پر چاہے خریدے" (۲۲)۔

فصل کی بیانی بھی ایک جائز معاملہ ہے۔ فتنہ ختنی میں مزارعت کے سلسلہ میں فتویٰ صائمین کے قول پر ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں: "میرے زدیک مزارعت کی حیثیت مغاربت جیسی ہے، جس طرح ایک شخص کسی کو اپنا مال تجارت کے لئے ثانی، چوتھائی نفع پر دنتا ہے، ایسے ہی نہیں تھا، چوتھائی پیداوار پر دینا جائز ہے" (۲۳)۔

مزارعت کی مماثلت کی جو احادیث رافع بن خدقج، جابر بن عبد اللہ اور ثابت بن عمار سے مروی ہیں وہ ان صورتوں سے متعلق ہیں جن میں کاشت کاروں کی حق تلفی ہوتی تھی اور صاحب زمین کو بلا احتقال منفعت حاصل ہوتی تھی یا جن کا نتیجہ نزاع اور فسلوکی صورت میں ظاہر ہوتا تھا (۲۴)۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بلا احتقال کمالی اور نفع کا ہر معاملہ ربانیں ہے۔ ربا صرف وہ اضافہ ہے جو قرض کے راس المال پر مدالت کے مقابلے میں ہو، یا دو ہم جنسی چیزوں کے دست بدست لین دین میں ایک فریق کو ادا کرنا پڑے۔ جن معاملات کا ذکر ربا الفضل کے تحت کیا گیا ہے وہ در حقیقت غرر، تمار، تليس (دھوکہ و فریب)، غبن، فاحش وغیرہ کے تحت آتے ہیں۔ اور ربا کی طرح حرام اور ناجائز ہیں۔ انسیں ربا الفضل کا معاملہ کہہ کر ناجائز ٹھہراانا محض ایک تلفظ ہے۔ جبکہ شریعت پہلے ہی انسیں ناجائز قرار دے چکی ہے۔

دوسرانقطہ نظر

ربا پر یہ نقطہ نظر جناب عمران نیازی صاحب نے اپنی تصنیف The Concept of Riba and Islamic Banking میں پیش کیا ہے۔ ربا پر ان کے مطالعہ کا انتیازی وصف یہ ہے کہ انہوں نے ربا کو ایک متحدد و غیر منقسم اکالی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے شیش الائمه امام سرخی کی تعریف ربا کو اپنے مطالعہ کی بنیاد پہلیا ہے۔ امام سرخی کی تعریف ربایہ

ہے ”ربا محلہ“ بیع میں ایک فریق کے لئے وہ مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی بدل نہ ہو“ (۲۵)۔
فاضل مصنف اس تعریف میں استعمل کے گئے لفظ بیع کو تبادلہ (Exchange) سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امام سرخی کی یہ تعریف مبلغے کی ہر اس شکل کو ربا قرار دیتی ہے جس کا موضوع مختلف مقدار کی دو ہم جنس اشیاء ہوں۔ ”یہ تعریف دو ہم جنس چیزوں کے باہمی مبلغے کی ہر شکل پر منطبق ہوتی ہے، خواہ یہ مبلغہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں“ (۲۶)۔

مصنف موصوف اپنے نقطہ نظر کی یوں تشریع کرتے ہیں کہ قرآن میں وارد لفظ ربا محلہ ہے۔ ہم جنس چیزوں کے باہمی مبلغے سے متعلق احادیث نے اس ربا کو ایک واضح شرعی و قانونی ہم دیا ہے۔ درہم و درینار کے جس لین دین کو قرآن قرض کا ہم دیتا ہے، احادیث نے اسے بیع کا ہم دیا ہے۔ بیع قرض کے مقابلے میں زیادہ جامع تعبیر ہے، اس میں ہر قسم کے تبادلے اور لین دین کا معاملہ آ جاتا ہے۔ احادیث دو ہم جنس چیزوں کے باہمی تبادلے کے لئے برابری اور فوری لین دین کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس تقاضے کو محلہ قرض میں بھی محفوظ رکھا جائے گا کیونکہ وہ بھی بیع اور مبلغے کا معاملہ ہے (۲۷)۔ اگر کوئی شخص کسی کو ایک ہزار روپے ایک سال کی مدت کے لئے بطور قرض دیتا ہے اور مقرہہ مدت پر اصل زر یعنی ہزار روپیہ ہی واپس لیتا ہے تو وہ ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ ربالنسیہ کی ایک شکل ہے۔ اس میں مضر ربا وہ منفعت ہے جو دین اس عرصہ میں قرض کی رقم سے حاصل کر رہا ہے (۲۸)۔ لہذا روپے کا ساتھ تبادلہ یہیہ برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر ہوتا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ معاملہ بیع کی صورت میں مطلے پایا ہے یا قرض کی صورت میں۔

مصنف کا خیال ہے کہ پہنچ اپنے گاہک کو ایک مخصوص مدت کے لئے جو قرض دیتا ہے، وہ بھی ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ اگر وہ اس مدت کے اختتام پر گاہک سے اصل زر سے زائد وصول کرتا ہے تو وہ ربالفضل اور ربالنسیہ دونوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اگر صرف اصل زر واپس لیتا ہے تو ربالنسیہ کا معاملہ کرتا ہے، اس صورت میں ربا وہ تاخیر ہے جو ایک عوض کے سپردگی میں ہوئی ہے (۲۹)۔

فاضل مصنف کی رائے میں بیکوں میں جو بچتیں رکھوائی جاتی ہیں وہ بھی بنیادی طور پر کرنی کے کرنی سے تبادلہ کا معاملہ ہیں۔ ان میں بھی برابری اور فوری لین دین کی شرط کو محفوظ رکھنا ضروری ہے، بصورت دیگر یہ ربا کا معاملہ ہو گا (۳۰)۔

مصنف کا خیال ہے کہ جس اضافہ پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے وہ دو طرح کا ہے۔ اولًا۔ دو ہم جس اشیاء کے تبلوہ میں ایک کی مقدار میں اضافہ۔ یہ ایک واضح ربا ہے۔ شرعی اصطلاح میں یہ اضافہ ربا الفضل ہے۔ ٹانیا۔ دو ہم جس اشیاء تبلوہ میں ایک کی سپردگی میں تغیر۔ چاہے دونوں اشیاء مقدار میں برابر ہوں۔ یہ رب بالنسیئہ ہے (۳۱)۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مخصوص مدت کے لئے دینے والے قرضے میں سو روپے کے بدلتے ۱۰۰ روپے وصول کرتا ہے تو ربا الفضل کا معاملہ کرتا ہے، لیکن اگر ۱۰۰ روپے یعنی اصل زر ہی والیں لیتا ہے تو یہ رب بالنسیئہ کا معاملہ ہے۔ اس صورت میں بامدت قرض کے دوران اس رقم کا استعمال ہے اور اس سے نفع انھلنا ہے۔ (۳۲)

نقود و تجزیہ

مذکورہ نقطہ نظر بست سے غلط مفروضوں پر بنی ہے، ذیل میں چند کی نشاندہی کی جاتی ہے۔
لفظ ربا کا مجمل ہونا

پہلا مفروضہ یہ ہے کہ قرآن میں وارد لفظ ربا صوم و صلوة کے الفاظ کی طرح مجمل ہے۔ اس اجمل کی تشریع و تفسیر عبیدۃ بن صالح رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، لہذا یہ حدیث ربا کی اصل ہے (۳۳)۔

امر واقع ہے کہ لفظ ربا صوم و صلوة کی طرح بھی بھی مبسم و مجمل لفظ نہیں رہا۔ ربا کا مفہوم ظہور اسلام سے پہلے بھی عربوں کے ذہنوں میں واضح تھا۔

قاضی ابو بکر ابن عربی "لکھتے ہیں" "زنانہ جاہلیت میں جو ربا رائج تھا وہ بالکل مشور و معروف طریقے پر ان کے ہاں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا، جب میعاد آ جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کتنا" میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا (۳۴)۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں "ادھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں مشور و معروف تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے تھے کہ اتنی مقدار میں ملہنہ سود دینا ہو گا اور اصل رقم برقرار رہے گی، جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے محفوظ ہو جاتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلتے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ لیکن وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے" (۳۵)۔

عروں کے لئے اگر کوئی ربا نہ انسحاب کھاتا وہ یقیناً والا ربا تھا، جس کی تحریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیت کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔

قاضی ابو بکر جعفرؑ فرماتے ہیں کہ ”عرب یہ نہیں جانتے تھے کہ سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تاثیر کے ساتھ تبلد بھی ربا ہے بلکہ شریعت میں وہ بھی ربا ہے“ (۳۶)۔ یہ درست ہے کہ قاضی ابو بکر جعفرؑ ربا کو محمل ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کے اجل کا سبب یہ ہے کہ یہ لفظ لغوی معنی سے ہٹ کر ایک نئے شرعی معنی سے استعمل ہوا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ اجل صوم و صلوٰۃ والا اجل نہیں ہے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ عرب اس ربا سے کامل طور پر واقف تھے جو درہم و دینار کے قرضوں میں راجح تھا۔

وہ لکھتے ہیں ”یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اس ربا کو باطل اور حرام قرار دیا جو عروں کے ہل عام طور پر راجح تھا، لیکن ساتھ ہی الحدیث کی رو سے خرید و فروخت کی بہت سی صورتیں باطل قرار دیں اور ان کو بھی شرعی اصطلاح کی رو سے ربانم دیا اس طرح ”حرام الربا“ کا حکم ان سب کو شامل ہو گیا کیونکہ شرعی طریقہ سے ربا کا اسم ان کو بھی شامل ہے (۳۷)۔

دیکھ پڑتے ہیں کہ فاضل مصنف نے ربا سے متعلق ابو بکر جعفرؑ کے موقف کا وہ حصہ تو قبول کیا ہے جس میں آپ نے اسے محمل لفظ قرار دیا ہے لیکن اس حصہ کو جس میں انہوں نے ربا الدیون کو اصل اور مستقل بلذات ربا قرار دیا ہے، نظر انداز کر دیا ہے۔ ابو بکر جعفرؑ نے ربا کی یوں تعریف کی ہے۔

”ربا قرض کا وہ محلہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو (۳۸)۔

قرض پر بیع کا اطلاق

دوسرा مفروضہ یہ ہے کہ قرض بنیادی طور پر معلومہ بیع ہے (۳۹)۔ یہ بھی سابقہ مفروضہ کی طرح ایک غلط اور خلاف واقع مفروضہ ہے۔ قرض اور بیع میں بعض بہت ہی بنیادی فرق تم کے فرق ہیں۔ بیع میں مقصود منفعت ہوتی ہے۔ احسان یا کسی کی مدد اس کے بنیادی مقاصد کا حصہ نہیں ہوتے۔ قرض مدد تعلوٰن اور احسان کا محلہ ہے۔ بیع کے برعکس اس میں عوض یا معلومہ وہ اجر و ثواب ہے جس کی امید کسی ضرورت مند کو قرض دیتے ہوئے وائن خدا سے رکھتا ہے۔ اس کے اسی بنیادی وصف کی وجہ سے فقہاء معلومہ قرض کو عقود المعاوضات میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے ”ہبہ“ صدقہ اور احسان کے معلمات میں شمار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحلی لکھتے ہیں "عکتوں معلومات میں بیع، اجارہ، صرف، صلح، استصناع، مزارعت، مساقات وغیرہ شامل ہیں جبکہ قرض، کفالہ (کفیل بننے کا معلہ) معلومہ کی شرط پر ہبہ جیسے معاملات ابتداء" ہبہ اور صدقہ کے معاملات ہوتے ہیں جو اختتام معلہ پر عقد معلومہ بن جاتے ہیں (۲۰)۔

وہ مزید لکھتے ہیں "قرض نبیادی طور پر ایک معلہ ہبہ اور احسان ہے اگرچہ مدت کی انتہاء پر اس میں عوض بھی شامل ہو جاتا ہے تاہم صدقہ اور احسان کا پہلو اس میں غالب ہے۔ اس کا معاملہ احسان ہونا اس امر سے متربع ہے کہ وائے اپنی رقم کے مبلغ میں کو ایک مخصوص مدت تک ہبہ کرتا ہے۔ اگر یہ معلومہ و منفعت کا معاملہ ہوتا تو بیع کی طرح اس میں بھی راس المال پر فرع لیتا جائز ہوتا حالانکہ ایسا فرع لیتا ناجائز ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معلہ قرض کا غالب وصف اس کا ہبہ ہونا ہے (۲۱)۔

معلہ قرض میں وائے خود کو اپنی رقم کے استعمال سے ایک عرصہ تک محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ صدقہ و ہبہ کی ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ پھر میتوادا اسیکی پر بھی رقم کا حصول کوئی یقینی امر نہیں۔ میں کی عسرت و تحملتی کی صورت میں وائے کو مزید انتظار کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کی ہدایت کے مطابق ایسی صورت حال میں میں کو مزید سملت دینی پڑتی ہے۔ اس طرح یہ معاملہ بعض اوقات ابتدائی معلہ سے انتہائی صدقہ و احسان کا معاملہ بن جاتا ہے۔

ذکورہ مفروضہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک دعویٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ خلق فقہاء کی پیش کردہ تعریفات ربا میں لفظ بیع و سیع اور عمومی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شیخ الاسلام امام سرخی کی تعریف ربا کا بطور خاص حوالہ دیا گیا ہے کہ اس میں لفظ بیع مبلولہ (Exchange) کے معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ امام سرخی کے نزدیک وہ ہم جس چیزوں کا اضافے کے ساتھ مبلولہ، خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں، ربا ہے۔ اسی طرح یہ تعریف دیوں والے ربا پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

یہ بھی ایک خلاف واقع بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام سرخی، امام کاملنی اور دیگر خلق فقہاء نے بیع کے سیاق میں جس ربا کا ذکر کیا ہے، وہ مخصوص ہم جس اشیاء کے تبلیے میں اضافہ ہے۔ اس کے مفہوم میں قرض شامل نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق درج ذیل امور سے ہوتی ہے۔

- امام سرخی اور امام کاملنی نے ربان الفضل کا ذکر اپنی کتب کے باب الیسوں میں کیا ہے۔

دیون والے ربا کا ذکر ان کے ہل الگ سے ایک اور باب "باب القرض" میں ملتا ہے (۲۷)۔ ربا الفضل کا ذکر باب السیوع میں اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ درحقیقت باطل یوں کی ایک قسم ہے، اس کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں بر ابری کے شرعی تقاضے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ ربا الفضل کی فطری جگہ باب السیوع ہے نہ کہ باب القرض کہ یہ بنیادی طور پر بیع کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ربا پر یہ طریقہ مطالعہ سرخی اور کاملی کے علاوہ کئی دیگر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ یہ فقہاء ربا الفضل کو باب السیوع میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ قرض والے ربا کو مستقلًا باب القرض میں زیر بحث لاتے ہیں، فخر الدین الز ملی (۲۸)، محمد الحشری (۲۹)، ابن قدامہ (۳۰)، ابو تویی (۳۱)، الحطاب (۳۲)، اور دیگر کئی نمایاں اہل علم نے یہ منع اختیار کیا ہے۔

۲۔ کاملی نے دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں تاخیر کو ربا النساء کا نام دیا ہے (۳۳)۔ اس طرح ربا النساء خود بخود اس ربا سے علیحدہ ہو گیا ہے جو قرضوں میں واقع ہوتا ہے اور یہ ربا النساء کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض حنفی فقہاء نے تو ایک ہی باب میں صراحت کے ساتھ دونوں قسموں کے ربا کو الگ الگ بیان کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین والے ربا کو بیع والے ربا میں شامل نہیں رکھتے۔ ہدایہ کے شارح کمل بن الحنف لکھتے ہیں کہ ربا قرض کے راس المال میں زیادتی اور ہم جس ربا اموال کی بیع میں مقدار کا اضافہ ہے (۳۴)۔

۴۔ ربا کی یوں اور دیون میں تلقیم صرف حنفی فقہاء کے ہل ہی نہیں ملتی، دیگر فقیہ مکاتب نے بھی اسے اختیار کیا اور ان کی کتب میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ابن رشد المقدمات میں لکھتے ہیں "ربانقد کی نقد کے ساتھ بیع اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں واقع ہوتا ہے" (۳۵)۔ ابن رشد (حنفی) بدایتہ الجہد میں لکھتے ہیں "علماء کا اتفاق ہے کہ ربا دو چیزوں میں واقع ہوتا ہے، بیع میں اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں جو بیع موجل اور قرض وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے" (۳۶)۔

فقہاء شافعیہ نے ربا کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ربا الفضل، ربا الید اور ربا النساء۔

۱۔ ربا الفضل: یہ ہم جنس اشیاء کے دست بدست لین دین میں ایک عوض میں زیادتی ہے۔

۲۔ ربا الید: یہ ان اشیاء کے تبادلہ میں ایک کی سپردگی میں تاخیر ہے۔

۳۔ ربا النساء: بیع موجل میں قیمت کی اوائیگی کی میعاد میں توسعے کے بدلتے قیمت میں مزید اضافہ ربا النساء ہے۔

شریفی خطیب کا بیان ہے کہ شافعی فقیہ المعلی نے ان تین اقسام میں ایک اور قسم ربا القرض کا اضافہ کیا ہے۔ یہ وہ قرض ہے جس میں دائن کے لئے نفع مشروط ہو (۵۲)۔

شافعی فقیاء میں رملی وہ واحد فقیہ ہیں جنہوں نے قرض والے ربا کو ربا الفضل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت ایک اور شافعی مصنف نے یوں کی ہے کہ رملی نے قرض کو ربا الفضل کیا ہے جبکہ فی الواقع وہ اس سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دائن کے لئے نفع یا اضافہ کی شرط گویا قرض کو اپنی جس کی چیز سے اضافہ کے ساتھ پیچنا ہے اس طرح وہ مجاز ربا الفضل ہے (۵۳)۔

۵۔ قرض والے ربا کے بیع کے ربا میں شامل نہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ وہ ہم جس چیزوں کا تاخیر سے تبادلہ ٹھاہے وہ برابری کی بنیاد پر ہی کیوں نہ ہو، ناجائز ہے۔ جبکہ وہ ہم جس چیزوں کا قرض کی بنیاد پر تبادلہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت میں مستحب ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ایک من گندم کا ایک من گندم سے اس طور پر تبادلہ کرے کہ ایک عوض فوری طور پر سپرد اور دوسرا موخر کر دیا جائے تو یہ ایک ناجائز بیع ہو گی کہ یہ ربا النساء کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گندم اور ہمار دتا ہے اور وابس ایک من گندم ہی لیتا ہے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت کی نظر میں ایک محبوب و پسندیدہ عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم جس اشیاء کا وہی مبدلہ (Exchange) حرام ہے جو بیع کی صورت میں ہونے کے قرض کی صورت میں۔ اسی بنا پر علماء ربا النساء کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

”یہ وہ ہم جس چیزوں کی تاخیر کے ساتھ بیع کا ہم ہے بشرطیکہ وہ قرض نہ ہو۔“

قرض میں مدت کا تعین

ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ قرض میں مدت کا تعین ملعبدہ قرض کو ربالنسیہ کا معاملہ بنا رہتا ہے۔ اس صورت میں ربا ان متافع کو کما جائے گا جو مدت قرض کے دوران میں رقم کے استعمال سے حاصل کرتا ہے یا حاصل کر سکتا ہے۔ ملعبدہ قرض چونکہ بنیادی طور پر وہ ہم جس اشیاء کا تبادلہ ہے، لہذا مذکورہ نقطہ نظر کے مطابق اسے دست بدست ہونا ہا ہے، تاخیر سے یہ معاملہ ربالنسیہ کی شکل اختیار کر جائے گا۔

یہاں دو بہت ہی بنیادی قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ مدت قرض کے دوران رقم کی استعمال کو کیوں ربالنسیہ کا ہم دیا جائے جبکہ خود دائن ایک مدت تک اس سے دست بردار ہوا ہے۔ پھر یہ کہ خود شریعت نے واضح نصوص سے اس کی اجازت دی ہے

اور اس مدت کا معاملہ میں اعتبار بھی نہیں کیا۔ اگر مدت کی کوئی حسی و ملوی حیثیت ہوتی تو اس کا عوض لینا جائز ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدت کی وجہ سے حاصل ہونے والا ہر نفع ربانیں ہے بلکہ ربا صرف وہ منافع ہیں جو دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں ایک چیز کو موخر کرنے سے متاثرہ شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔ مقدم الذکر قرض حصہ کی نفل ہے اور جائز ہے اور موخر الذکر ربا النساء ہے اور ناجائز ہے۔

دوسرے سوال یہ ہے کہ قرض میں مدت کی تعین سے معلہ قرض ربا کا معاملہ کیسے بن گیا؟ زیادہ سے زیادہ اس معاملہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معلہ مدت کا تعین بعض فقہاء کے نزدیک غیر ضروری ہے اور دائن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے قرض کا جب چاہے مطالبہ کر لے لیکن اس طرح کے معاملہ کو سود کا معاملہ کس غیار پر کہا جائے گا۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ معلہ قرض میں مدت کے تعین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس موضوع پر قرآن و سنت اور فقہاء کے اقوال کے مطابع سے پڑھتا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین شریعت میں نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۸۸ معلہ دین میں واضح طور پر تعین مدت پر زور دیتا ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں ”اے اہم ان والوا جب تم کسی مقررہ مدت کے لئے آپس میں دین کا معلہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو“ (۵۵)۔

اس آیت کی تشریح میں الام جاصح فرماتے ہیں۔

”یہ آیت لین دین کے ان تمام محلات کو شامل ہے جن میں میلعو مقرر کرنا جائز ہو“ (۵۵)۔ مذکورہ آیت میں دین کا لفظ جو استعمل ہوا ہے اس میں قرض، بیع، موجل میں معنی کی قیمت، عقد سلم کی معنی وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان تمام دیون کی میلعو مقرر کرنا شرعاً مستحسن ہے فقه کی کتابوں میں حوالہ کفالت اور رہن کے احکام کا بڑی حد تک مدار دیون کی تعین مدت پر ہے۔ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ مرتن مل مربوون کو میلعو قرض کے اختمام سے قبل بیع نہیں سکتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ معلہ دین میں مدت کا تعین ضروری ہے، اسی طرح جموروں فقہاء کے نزدیک حوالہ دین کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ محل علیہ پر واجب الالاء دین کی میلعو ادائیگی اور محیل بینی قسم دین کے دین کی مدت ادائیگی ایک ہو۔

احلونیث کی کتاب میں بھی معلہ قرض میں تحدید مدت کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔ میں فضیر کی جلاوطنی کا واقعہ جو واقعی نے المخازی اور الام محمد نے موطا میں نقل کیا ہے، اس امر کی تائید

کرتا ہے کہ نبی اکرمؐ دین میں تحدید مدت کو جائز سمجھتے تھے
و اقدی لکھتے ہیں۔

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ بونصیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور
حضرت محمد بن مسلمہ کو اس کا گنگران مقرر فرمایا، اس وقت وہ لوگ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر کہا کہ لوگوں پر ہمارے دین
واجب ہیں جن کی ادائیگی غنف مدقوق پر ہوتی ہے تو حضور اکرم نے فرمایا
کہ ”جلدی لے لو اور ساقط کر دو“ (۵۱)۔

ذیل کی فقیہی نصوص میں واضح طور پر میعاد قرض کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جو اس بات کی
دلیل ہیں کہ فقیہاء کے نزدیک میعاد قرض کا تعین ناجائز امر نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ
”هم اس سے استدلال کرتے ہیں اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ
کسی مدت پر دین واجب ہو اور وہ اس سے کہے کہ وہ اس کا کچھ دین ساقط کر
دے گا بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کر دے تو یہ صورت درست نہیں“ (۵۲)۔
اس اقتباس سے جمل ”ضع و تعجل“ کے معاملہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے وہاں مدت
قرض کے تعین کا جواز بھی ملتا ہے
علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

”اگر ایک شخص کا دوسرے پر دین موجل ہو، اب وہ شخص اپنے قرض خواہ
سے کہے کہ مجھ سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو، بقیہ دین میں فوراً ادا کر
دوں گا“ یہ صورت جائز نہیں“ (۵۳)۔

ابن تدارم کے اسی قول میں ”دین موجل“ کے الفاظ تحدید مدت کے جواز کی نشاندہی کرتے ہیں۔
الدونہ الکبری میں آیا ہے۔

”میں نے ان سے کہا اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر ایک
شخص کے ذمہ میرے ایک ہزار روپے دین ہوں اور اس کی ادائیگی کا وقت آ
چکا ہو اور میں اس سے کہوں کہ اگر تم نے مدینہ شروع ہونے پر سودہم
ادا کر دیئے تو نوسودہم تمہارے ہیں اور اگر تم نے ادا نہیں کئے تو پھر
پورے ایک ہزار درہم ادا کرنے پڑیں گے؟ اسکے جواب میں الام مالک نے
فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں (۵۴)۔

کسی مدت تک دین کو موخر کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قرض چاہے موجل ہو یا غیرموجل، دونوں صورتوں میں وائے اپنا قرض جب چاہے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مدت ان کے نزدیک وعدہ اور یہہ غیر ماقوض کی طرح ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جب کسی مدت تک کے لئے قرض دے دیا تو پھر وائے اس مدت سے پہلے قرض واپس لیتا چاہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تحدید مدت تو ناجائز نہیں ہے لیکن وائے پر اس کی پابندی لازم نہیں وہ اس مدت سے پہلے بھی اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے قرض بیوایدی طور پر احسان کا معاملہ ہے، قرض و ناجائز کی کوئی شرعی و قانونی ذمہ داری نہیں۔ لہذا وہ پابند نہیں ہے کہ اس مخصوص مدت تک انتظار کرے۔ معلمہ عاریت میں بھی ایک شخص مال مستخار کا مدت مقررہ سے پہلے واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

امام مالک "المسلمون عند شروطهم" کے اصول کے تحت وائے کے مدت قرض سے پہلے اوابیگی کو ناجائز قرار دیتے ہیں (۴۰)۔

عملی نقطہ نظر سے امام مالک کا موقف زیادہ وزنی اور وقیع ہے۔ اگر قرض میں مدت کا تعین نہ کیا جائے تو کوئی شخص بھی قرض دے سکے گا اور نہ لے سکے گا۔ قرض لینے والے کو ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہے گا کہ وائے کسی وقت بھی اس سے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ اطمینان سے رقم کو اپنے تصرف میں نہیں لاسکے گا۔ قرض دینے والے کو بھی یہ خدشہ لاحق ہو گا کہ مدین تکددتی کا بہانہ کر کے قرض کو غیر معینہ مدت تک مل سکتا ہے۔

قرآن کے حکم "فَإِن كَانَ ذُو عَسْرَةٍ إِنْ" پر بھی اگر گمراہی کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر تعین مدت کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ "اگر مدین تک دست ہو تو اسے آسمانی تک ملت دے دو۔" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ پہلے ایک مدت تعین ہے جس پر مدین تکددتی و عسرت کے باعث اوابیگی نہیں کر پاتا۔ چنانچہ وائے کو مدین کے معاشی حالات ہتر ہونے تک انتظار کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

شریعت میں وائے کے حقوق کے تحفظ کے لئے بہت سے احکام دیے ہیں جن میں وثیقہ قرض کو جیط تحریر میں لانا، گواہوں کے ذریعہ تقدیق کا حق، ضمانت، رہن و غیرہ شامل ہیں۔ ان سب احکام کا مٹا یہ ہے کہ وائے کا حق کسی طور پر ضائع نہ ہو۔ دین میں مدت کا تعین تقاضائے شرح کے میں مطابق ہے کہ اس سے بھی وائے کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

ربا پر سابقہ نقطہ نظر کا نمیاں وصف یہ ہے کہ ایک یہ غیر منطقی اور غیر عملی موقف ہے۔ یہ جمل قرض کی حوصلہ ملکنی کرتا ہے وہاں روپوں کی ٹھکل میں بچتیں رکھوائے کے دروازے بھی بند کر دیتا ہے۔ ساروں کی صنعت بھی اس سے ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس نقطہ نظر کے مطابق پانچ تو لے ان ڈھلنے سونے کا تبادلہ اسی وزن کے ہار سے برابری کے ساتھ ہو گا اور صنعت کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خود مصنف کا اپنا خیال بھی یہ ہے کہ یہ اصول ساروں کے کاروبار کو متاثر کر سکتا ہے (۱)۔ حالانکہ درست عملی موقف یہ ہے کہ ہم سارے سونے کا مبدلہ نہیں کرتے بلکہ اسے سوتا دے کر اپنے مطلب کی چیز بنوارہے ہوتے ہیں۔ لذا وہ اسی طرح اپنے عمل اور کارگیری کی اجرت لینے کا حقدار ہے جس طرح ایک درزی اور ٹنن بالی۔ اس صورت میں اگر آپ اسے ایک تولہ زائد سوتا بھی دے دیں تو یہ اس کے کام کے مقابلے میں ہو گا۔ اس طرح ہم اسے معلمہ استصناع کے تحت لا کر ایک جائز و مباح معاملہ ہنا سکتے ہیں۔ کیا ضوری ہے کہ اس معاملہ کو سونے سے تبادلہ کہ کراس پر برابری کا اصول لا گو کیا جائے اور نتیجہ کے طور پر سارے کاروبار کے جواز کو مغلوب بنا دیا جائے۔

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف کی تعبیر ربا ایک طرف تو اتنی سخت گیر ہے کہ معلمہ کی ہر ٹھکل کو حرام قرار دیئے جا رہی ہے اور دوسری طرف ربا کی بعض بہت واضح اشکال کو منطبق کرنے سے قادر ہے۔ ان کی اختیار کردہ تعریف ربا یہ ہے۔

”رباعقد بعیں سے ایک ایسا مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی عوض نہیں۔“

یہ تعریف ربا الفضل کے حوالہ سے تو درست ہے کہ ربا الفضل دو ہم جنس چیزوں کا ایسا لین دین ہے جس میں ایک چیز مقدار میں دوسری سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادتی بلا عوض ہوتی ہے لیکن ربا النسیہ پر اس کا اطلاق درست نہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص جب کسی کو ایک سال کی مملت پر ایک ہزار روپے دیتا ہے اور پندرہ سو روپے وصول کرتا ہے تو یہ اضافی رقم اس مملت اور تاخیر کے بد لے میں لیتا ہے جو اس نے میں کو دی ہے۔ اس معاملہ کو ذکر کردہ تعریف کی رو سے ربا کیوں نکر ہونا چاہیے جبکہ ہر فرقہ نے ایک عوض دیا ہے جو کہ دوسرے کے بالمقابل ہے۔ دائن نے جو عوض دیا ہے وہ مملت اور تاخیر ہے اور جو دین نے دائن کو دیا ہے وہ راس المال پر اضافہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ”فضل“، ”نسیہ“ کا عوض ہے۔

ہمارے خیال میں یہ الحسن اس لئے پیدا ہوئی کہ مصنف نے الام سرخی کی تعریف ربا کو وہ معانی پہنائے ہیں جو اس تعریف کا مقصود نہیں ہیں۔ الام سرخی کی تعریف ربا صرف ربا الفضل

سے بحث کرتی ہے، ربا النسیئہ اس کے دائے میں داخل نہیں ہے۔ اگر اسے ربا النسیئہ پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے تنفس کی وہی کیفیت جنم لے گی جوہ کورہ مثل میں سانے آتی ہے۔

امرواقع یہ ہے کہ یہوں کا ربا اور دیون کا ربا دو الگ الگ نوعیں کے رہا ہیں۔ یہوں والا ربا صرف احادیث سے ثابت ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی بناء پر اسے ربالسنہ کہا جاتا ہے۔

دیون کا ربا ایک حقیقی ربا ہے، سورہ روم، سورہ النساء، سورہ آل عمران اور سورہ البقرہ کی آیات میں جس ربا کا ذکر ہوا ہے وہ یہی ربا ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجہل بھی نہیں۔ یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں مشہور و معروف تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔ اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے، صرف سود کا ذریعہ نہیں۔

اس کے بر عکس، یہوں میں واقع ہونے والا ربا حقیقی ربانیں بلکہ حکمی ربا ہے۔ اس پر ربا کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ کھلا سود نہیں ہے بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل یا یہوں میں واقع ہونے والے ربا کے حرام ہونے کی علت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنے اور سودی زینت کا انداد ہے تاکہ اسے حقیقی سود یعنی ربا النسیئہ کا ذریعہ نہ بنا جاسکے۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام قرار دی گئی ہو اس کی حرمت اس چیز کے مقابلہ میں کہیں کم درجے کی ہوتی ہے جس کی حرمت شریعت میں مقصود بالذات ہو۔ اسی بناء پر وہ ربا الفضل کو خفی اور ہانوی ربا قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضرورت کے تحت سونے کا بنا ہوا ہار زیادہ مقدار کے سونے کے عوض بھا جا سکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ سونا ہار کی صورت اختیار کرنے سے شن (کرنی) نہیں رہتا بلکہ کپڑوں اور دیگر اشیاء کی طرح کا سامان تجارت بن جاتا ہے، تو جس طرح کپڑے اور نقدی میں ربا واقع نہیں ہوتا اسی طرح ہار اور سونے کے جلوہ میں بھی ربا واقع نہیں ہو گا۔ (۶۲)

ابن القیم اور دیگر فقہاء کے نزدیک موقف کے بر عکس زیر بحث نقطہ نظر ربا الفضل کا مقام اس قدر بلند کر دیتا ہے کہ ربا الدین اس کے اندر گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر نے ربا پر

شریعت کی ترجیحات کی ترتیب کو بالکل اٹ کر رکھ دیا ہے۔ حقیقی ربا کو ٹانوی اور ٹانوی ربا کو حقیقی ربا کی حیثیت دے دی ہے۔

تیرا نقطہ نظر

یہ نقطہ نظر ربا کو اس فرق (discrepancy) سے تعبیر کرتا ہے جو دو ہم جنس اشیاء کے برابر راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ ربا پر یہ نقطہ نظر ڈاکٹر سید طاہر صاحب نے پیش کیا ہے۔ انہوں نے ربا کی تعریف ان الفاظ میں ہے۔

"Riba is a discrepancy which results from the contractual obligation

of a party in a direct exchange of items of the same general kind" (63)

تعریف میں ربا کو فرق اس لئے کہا گیا ہے کہ بعض وقت وائے راس المال سے زیادہ کی بجائے کم لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق یہ کی بھی اسی طرح ربا متصور ہو گی، جس طرح راس المال پر اضافہ ربا قرار پاتا ہے۔

کیا قرض کے راس المال میں کی ربا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے اگر قرآن پر نظر ڈالی جائے اور متعلقہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ربا راس المال میں اضافہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، کی کے مفہوم میں نہیں۔

قرآن کی آیت "اے ایمان و الوا اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقلایا ہے اسے چھوڑ دو۔" (۷۲) اسی مفہوم میں وارد ہوئی ہے۔

سورہ روم کی آیت بھی اضافے ہی کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے "اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مل بھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مل نہیں بڑھتا" (۱۵)۔

جمل تک احادیث کا تعلق ہے ان سے بھی مصنف کی تعبیر ربا کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کے بر عکس بعض احادیث سے راس المال سے کم لینے کا جواہر ملتا ہے۔ بنو نضیر کے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو اجازت دی تھی کہ وہ میعاد قرض سے پہلے قرض وصول کرنے کی صورت میں راس المال میں کمی پر راضی ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کی رو سے بھی یہ ربا کا محالہ نہیں۔

ذکورہ تعریف کی ایک اور خالی یہ ہے کہ یہ ربا النساء کے معاملے کا احتمالہ نہیں کرتی۔ وہ ہم جس چیزوں کا تغیر سے جلوہ حدیث کی رو سے ربا النساء کہلاتا ہے، لیکن اس تعریف کی رو سے وہ سرے سے ربا ہی نہیں۔ عبلہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث محدثہ کی درستگی کے

لئے ”برا برا سرا برا“ اور ”دست بدست“ کی شرط عائد کرتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ”سواء بسواء“ یا بر ابر سرا برا کی مخالفت سے تو یہ ربا کا معاملہ بن جائے اور یہاں بید لینی دست بدست کی شرط کی مخالفت کے بلوغوں یہ ”شرع“ درست معاملہ قرار پائے۔ اس طرح کے معاملے کے دست بدست ہونے کے مسئلے پر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث حضرت عبده بن صالح کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں ”سونا چاندی کے بدے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو“ گندم گندم کے بدے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو، جو جو کے بدے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو“ اور سمجھو رکھو رکھو کے بدے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو (۶۶)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص تنہ الجنیں یا مختلف الجنین اشیاء کا تبادلہ۔ خواہ اضافے کے ساتھ ہو یا اضافے کے بغیر ربا کا معاملہ ہے، اگر دست بدست نہیں ہوا۔ ذکورہ نقطہ نظر کے مطابق پانچ تو لے سونے کا پانچ تو لے سونے کے ساتھ مبلاہ چاہے دست بدست نہ ہو، ایک درست معاملہ ہے۔ کیونکہ لی گئی مقدار میں کوئی فرق نہیں، اور ربا فرق (Discrepancy) کا ہم ہے۔

حضرت عزیز اس معاملے میں اتنا خخت روایہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک عوض کی پروگری میں اتنی تاخیر کو بھی ربا سمجھتے ہیں جتنی گمراہ کروائیں آئے میں ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

”چاندی سونے کے بدے ادھار نہ پہنچو کہ ایک طرف سے ادھار ہو“ اور دوسری طرف سے نقد۔ اگر تم سے گمراہ مملت مالکی جائے تو اتنی مملت بھی نہ دو، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ تم کہیں سود میں جلانہ ہو جاؤ (۱۷)۔

ڈاکٹر سید طاہر کے نقطہ نظر کے مطابق دو ہم جنس چیزوں کے تبادلے میں واقع ہونے والا ہر فرق ربا ہے حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ فرق یا اضافہ اسی صورت میں ربا قرار پاتا ہے جب محل تبادلہ اشیاء کا تعلق ربا اموال سے ہو۔ وہ اشیاء یا اموال جن میں ربا واقع نہیں ہوتا، ان کا تفاضل کے ساتھ مبلاہ (Exchange) ربا نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اگر ہرے جم کے ایک درجن انڈوں کا چھوٹے جم کے دو درجن انڈوں کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو یہ تبادلہ حقیقی فقہاء کے نزدیک درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک انڈے روی اموال سے تعلق نہیں رکھتے اور نتیجہ ”ان میں تفاضل اور تاخیر دونوں جائز ہیں۔ یہی صورت حل کیوں کے تبادلے میں ہو گی کہ ان کا کمی یا اضافے کے ساتھ باہمی تبادلہ حقیقی و مالکی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ اس کا

مطلوب یہ ہے کہ ڈاکٹر سید طاہر صاحب کی تعریف کے یہ الفاظ کہ ”ربا عمومی جس سے تعلق رکھنے والی اشیاء کے باہم تبادلہ میں فرق کا نام ہے“ شریعت کے مدعای کو درست طور پر بیان نہیں کرتے۔ بیع کے سیاق میں ربا صرف مخصوص اشیاء کے باہم تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ تمام اشیاء میں نہیں۔

ڈاکٹر سید طاہر نے اپنی تعریف ربایمیں عمومی جس کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عمومی جس کا مفہوم ان احادیث سے لیا گیا ہے جن میں گندم کے گندم کے ساتھ تبادلہ کو برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر ”اصناف“ تبدیل ہو جائیں تو برابری کی شرط ضروری نہیں۔

عمومی جس (Same General Kind) کے الفاظ غالباً ”اس لئے استعمال کئے گئے ہیں“ مکہ وہ اشیاء جن کا عمومی نام ایک ہی ہے لیکن ان کی نویعون میں خالما فرق ہے، اُنہیں بھی حدیث کے احکام کے تحت لایا جائے۔

اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہو گا کہ ماگز کپڑے کا تبادلہ ماگز کپڑے سے ہی کیا جائے اور اس میں کپڑے کی نوعیت کا لحاظ نہ رکھا جائے صرف پیائش میں برابری کو مخطوط رکھا جائے۔

یہاں ایک بہت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رب بالفضل والی حدیث کا واقعی مقصود یہی ہے کہ دو ہم جس اشیاء جن کی نویعون میں بہت واضح اور غیر معمولی فرق ہو، ان کا باہمی تبادلہ صرف اس وجہ سے برابری کی بنیاد پر کیا جائے کہ ان دونوں کا نام ایک ہی ہے لیکن وہ دونوں ایک ہی جس سے تعلق رکھتی ہیں۔

رب بالفضل پر پائی جانے والی احادیث کے مطابق سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں ان غذائی اجنس کا ذکر ہے جن کی اکائیوں میں عام طور پر بہت غیر معمولی فرق نہیں ہوتا مثلاً گندم، جو، نمک وغیرہ کہ ان کی ایک قسم اور دوسری قسم میں عام طور پر بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جو معمولی سارے فرق ان کے درمیان ہو سکتا ہے، اس کی حقیقی قدر (Value) کا تعین ایسی معیشت میں عام طور پر مشکل ہوتا ہے جو جس کے ساتھ تبادلہ پر مشتمل ہو۔ اس صورت حال میں اس بات کا اختلاف رہتا ہے کہ دو ہم جس چیزوں کے تبادلہ میں اعلیٰ قسم رکھنے والا فریق تبادلہ میں ادنیٰ قسم کی اتنی زیادہ مقدار وصول کر لے جو اعلیٰ قسم والی چیز کی حقیقی قیمت سے زیادہ ہو۔ المذاشارع نے یہ ہدایت کر دی کہ دو ہم جس چیزوں کے درمیان قدر و قیمت کا جو تھوڑا سا فرق ہو اسے نظر انداز کر

کے برابر سرا بر مبدلہ کر لیا جائے۔
نی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی معیشت کرنی کے بجائے جس کے جس کے ساتھ ہبولدہ پر بھی معیشت تھی۔ اس طرح کی معیشت میں عام طور پر چیزوں کی حقیقی قدر کا تعین مشکل ہوتا ہے۔ ایسی معیشت میں احتکار رہتا ہے کہ ایک شخص اعلیٰ نوعیت والی چیز کو دوسرا فریق کے استھان کا ذریعہ بنالے وہ اس سے بدله میں اونی نوعیت کی بہت بڑی مقدار وصول کر لے جبکہ فی الواقع دونوں قسموں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہ ہو۔ گندم کی اعلیٰ قسم اور اونی قسم کے درمیان عام طور پر کوئی غیر معمولی فرق نہیں ہوتا لہذا اسے اضافے یا زیادہ کا ذریعہ بھی نہیں بدلایا جا سکتے۔

آج کے دور میں ایک ہی جس کی اشیاء کے درمیان فرق بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک چیز کی اعلیٰ اور گھٹیا قسم کے درمیان غیر معمولی فرق ہوتا ہے پھر معیشت بھی اب جس کے جس کے ساتھ ہبولدہ والی معیشت نہیں رہی۔ اشیاء کی قدر کا تعین اب کرنی نوٹ کرتے ہیں۔ چیزوں کی حقیقی قدر کے تعین میں اب کوئی وقت نہیں رہی۔ ایسی صورت حل میں یہ کہل کی معموقیت ہو گی کہ ایک ایگل ہین کا ہبولدہ ایک پارکر ہین سے کرنے پر اصرار کیا جائے اور دیلیں یہ دی جائے کہ دونوں چیزوں ایک ہی جس سے تعلق رکھتی ہیں اس طرح کیا یہ درست ہو گا کہ ایک سونوکی کار کا ہبولدہ ایک مریڈین کار سے کیا جائے کہ دونوں ہم جس اشیاء ہیں۔

ہمارے خیال میں حدیث کے الفاظ "اتحلا صفت" سے مراد عمومی جس نہیں ہے بلکہ ایک جس سے تعلق رکھنے والی ایسی دو چیزیں ہیں جن کے درمیان فرق معمولی ہو۔ عرف عام میں جو چیزیں اپنا ایک مستقل ہم اور شناخت رکھتی ہیں وہ ایک الگ صفت ہیں چاہے ایسی دو چیزوں کی عمومی جس ایک ہی ہو مثلاً سونوکی کار ایک صفت ہے اور مریڈین ایک دوسری صفت، عرف عام میں بھی انہیں کار کی بجائے ان کے ناموں مریڈین اور سونوکی سے ہی پکارا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو مستقل بلذات اصناف ہیں۔ جبکہ گندم اور جو میں یہ صورت حل نہیں ہے۔ لہذا دو قسموں کی گندم فی الواقع ایک ہی صفت شمار ہو گی۔

ذکورہ میلیں صرف مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے دی گئی ہیں ورنہ فی الواقع اس طرح کا ہبولدہ کہیں بھی نہیں ہوت۔ معیشت میں کرنی کے موثر عمل داخل کی بنا پر جس کا جس کے ساتھ ہبولدہ عملاً ختم ہو گیا ہے۔ حدیث میں جن اشیاء کے ہبولدہ کا ذکر آتا ہے وہ بھی اب روپے پیسوں کے پر لے خرید و فروخت ہوتی ہیں، ان کا اپنی جس سے ہبولدہ کہیں بھی نہیں ہوت۔ اس

صورت حال میں ربا کی ایسی تعریف جو اشیاء کے باہمی جملہ پر بنا رکھتی ہو، نعلیٰ سیاق سے بت ہٹ کر ہے جس کی عصر حاضر میں کوئی اہمیت و افادت نہیں۔

ربا پر اس طریقہ مطالعہ کا غیر محسوس نتھنی یہ ہے کہ اس سے ربا الیون کے پیدا کردہ حقیقی معاصر سائل سے انک کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ غیر متعلق چیزوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی نظام صیحت کے نتائج کے لئے جس ربا کے خاتمه کی بات کی جاتی ہے وہ بیکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں راجح سود ہے جو بنیادی طور پر قرضوں کا ربا ہے۔ ہم جس چیزوں کے جملہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ویسے بھی زر نقدی نے ربا الفضل کا دائرة سکیڑ دیا ہے۔ مدللے کی صورتیں محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس پس منظر میں نظام مبolloh (Barter) کو زندہ کرنا اور ربا کی تعریف کے لئے اسے بنیاد بناانا تو شریعت کا تقاضا ہے اور نہ اس عمد کی ضرورت ہے۔

حوالی

- ١- "ذاکر ضایع الحق" "The nature of Riba al Nasian and Riba al fadl" مطبوعہ اسلامک اشٹریٹ، جلد ۲۱، شمارہ نمبر ۳، ۱۹۸۲ء
- ٢- عمران نیازی "The Concept of Riba and Islamic Banking" نیازی پبلنگ ہاؤس، طبع اول، ۱۹۹۵ء
- ٣- "ذاکر سید طاہر ۱۹۹۴" "What is Riba" Hikmat-e-Quran Nov. 1994
- ٤- "ذاکر سید طاہر ۱۹۹۵" "Riba al fadl" Hikmat-e-Quran August 1995
- ٥- "ذاکر ضایع الحق" حوالہ ذکور صفحہ ۲۰
- ٦- حوالہ سابق صفحہ ۲۱
- ٧- حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۲۳
- ٨- حوالہ سابق صفحہ ۲۶
- ٩- حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۲۳
- ١٠- حوالہ سابق صفحہ ۲۲
- ١١- صحیح مسلم، مع شرح فوی، قاهرہ، مطبع عصریہ، جلد ۱۱، ص ۱۳۲۹
- ١٢- "ذاکر محمد صدیق ضریر" الفدر و آثارہ فی التطبيقات المعاصرة إسلامی ترقیاتی پینک، جدہ، ۱۹۹۳ء، ص ۳
- ١٣- شوکانی، نسل الادطار، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور، جلد ۵، ص ۱۸۳
- ١٤- حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۱۵۶
- ١٥- ز سلیمانی، نصب الروایہ، مجلس علمی سورت، ہند ۱۹۷۸ء، جلد ۲، ص ۱۲
- ١٦- نسل الادطار، جلد ۵، ص ۱۷۱، ص ۱۷۲
- ١٧- حوالہ سابق
- ١٨- حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۲۲۶
- ١٩- حوالہ سابق جلد ۵، ص ۲۲۳
- ٢٠- ابن عابدین، رد المحتار، دار سعادت، مطبع مثنیہ، ۱۹۳۲ء، جلد ۲، ص ۲۲، ۲۳
- ٢١- نسل الادطار، جلد ۵، ص ۲۳۹، ص ۲۵۰

- ابن القیم، اعلام الموقعين، طبع ١٩٦٩ء، ج ٣، ص ١٩٣
- ابو يوسف، کتاب الخراج، ص ٨٩
- تفی اینی، اسلام کا زرعی نظام، کتبہ امدادیہ ملکان، ص ٢٨، ١٧٩
- سرخی، کتاب المبسوط، مطبع السعاده، القاهره، ١٤٢٢ھ/١٩٥٦ء، جلد ١٢، ص ١٥٩
- عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص ٢٠
- حوالہ سابق، صفحات ٣١، ٣٩، ٥٣، ٥٦ اور ١١٣
- حوالہ سابق، ص ٢٩
- حوالہ سابق، ص ٣٨
- حوالہ سابق
- حوالہ سابق، ص ٢١
- حوالہ سابق، ص ٢٩
- حوالہ سابق، ص ٥٦
- ابن عربی، احکام القرآن، طبع بیروت ١٩٨٨ء، جلد ١، ص ٣٢٠، ٣٢١
- رازی، التفسیر الحکیم، طبع مصر، ١٩٣٨ء، جلد ٧، ص ٩١
- جصاص، احکام القرآن، المسجد الابیه المعرفه، مصر، ١٤٣٧ھ، جلد ١، ص ٥٥١
- حوالہ سابق جلد ١، ص ٥٥٢
- جصاص، حوالہ سابق، جلد ١، ص ٢٢٩
- عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص ٣٩
- دھب ز جلیل، الفقہ الاسلامی وادلته، داراللگر، دمشق، ط ٣٠، ١٩٨٩ء، جلد ٣، ص ٢٢٣
- حوالہ سابق
- کاسانی، بداع الصنائع، کتبہ رشیدیہ کونسٹ، صفحہ ١٥٠، ١٩٩٠ء، کتاب القرض جلد ٧، صفحات ٣٩٣-٣٩٦
- الریسلی، تبیین الحقائق شرح حکیم الدلیلی، المطبع الکبری الامیریہ، بولاق، ١٤١٥ھ، ص ١٥١، جلد ٢، ص ٨٥
- محمد الغرضی، شرح منظر خلیل، مطبع امیریہ، ١٤١٦ھ، ٣٠، جلد ٥، ص ٣٦
- ابن قدامة، المفتی، فارالمختار، قاهره، ط ٣٠، ١٤٣٦ھ، جلد ٣، ص ١
- البوتوی، حکیف القناع، مطبع الشیخ المکدری، ١٩٣٨ء، جلد ٣، ص ٢٠٥
- الخطاب، موابیب الجلیل شرح مختصر خلیل، مطبع العطاوه، مصر، ١٤٢٩ھ، جلد ٣، ص ٣٠٠
- کاسانی، بداع الصنائع، حوالہ سابق
- ابن حمام، شرح فتح القدیر، مکتبہ تجارتیہ الحکیمی، مصر، جلد ٥، ص ٢٨٣

- ٥٠- ابن رشد (جد) 'المقدمات' مطبع العاده' مصر' ١٣٢٥هـ، ص ١٧٥
- ٥١- ابن رشد (خديد) 'بنديه المحتهد' مطبع مصلني البلي البحري، مصر، ١٩٦٠هـ، جلد ٢، ص ٤٢٨
- ٥٢- محمد الشرفي الحبيب 'معنى المحتاج الى معرفة معانى الفتاوى المنهاج' الكتب التجارية الكبرى، مصر، جلد ٢، ص ٢١
- ٥٣- شمس الدين محمد الرانلي 'نهاية المحتاج' المطبع البابية الاميرية، قاهره، ١٣٠٣هـ، جلد ٣، ص ٣٩
- ٥٤- سورة بقره، آيات ٢٨٨
- ٥٥- جصاص 'أحكام القرآن' حواله سابق، جلد ١، ص ٣٨٣
- ٥٦- واقد دی 'معازی' جلد ١، ص ١٧٩
- ٥٧- موطا امام مالک 'باب الرمل' ببيع المتعاق او غيره نصيته ثم يقول.. لتقىنى واضح منك' جلد ١، ص ٢٢٣
- ٥٨- المختن 'حواله سابق' جلد ٢، ص ١٧٣
- ٥٩- المدونة الكبرى 'كتاب الصلح' جلد ١١، ص ٢٧
- ٦٠- دہبہ ز خلیل 'الفقه الاسلامی وائلتھ' حواله سابق، جلد ٢، ص ٢٢٢
- ٦١- عمران نیازی 'صور ربا اور اسلامی بینکاری' حواله سابق، ص ٨٣
- ٦٢- ابن القیم 'اعلام الموقعين' مکتبہ تجارتی لکھری، مصر، ١٩٥٥ھـ، جلد ١٠، جلد ٢، ص ١٣٥
- ٦٣- ڈاکٹر سید طاہر "Riba al Fadl" مطبوعہ حکمت قرآن "شمارہ اگست ١٩٩٥" اور "What is Riba" نمبر ١٩٩٥ء
- ٦٤- سورة بقره، آيات ٢٨٠
- ٦٥- سورة الروم، آيات ٢٩
- ٦٦- مثل الاوطار، جلد ٥، ص ٢٠٣
- ٦٧- موطا امام مالک 'مکتاب البيوع' باب الذهب بالذهب' جلد ٢، ص ٤٣
